طاہر منصوری
اسسٹنٹ پروفیسر، شریعہ فیکلٹی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی
اسلام آباد

رِبا پر بعض معاصر نقطہ ہائے نظر کا علمی جائزہ

رِبا کے موضوع پر محققین نے رِبا کی روایتی تعریفات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے نئی صورتیں متعارف کرانے کی کوشش کی ہے۔ ان میں سے بعض نے اس بات کی بھی کوشش کی ہے کہ رِبا کی ایک ایسی جامع تعریف کی جائے جو رِبا کو دون اور بیوع کے رِبا میں تقسیم کرنے کی بجائے اسے ایک متحد وغیر منقسم اکائی کے طور پر پیش کرتی ہو۔ یہ کوششیں غالباً ایک حلقے کے اس اعتراض کا جواب ہیں کہ رِبا کی کوئی واضح ومعین قانونی تعریف نہیں ہے اور یہ کہ رِبا کے متبادلات تلاش کرنے سے پہلے اس کا تعین ضروری ہے۔

ان کوششوں کے پیچھے کارفرما جذبہ یقیناً قابلِ ستائش ہے، تاہم اس طرح جو تعریفات اور نقطہ ہائے نظر سامنے آئے ہیں، ان میں بہت سے محلِ نظر ہیں۔ ان تعریفات میں رِبا کے جو معانی بیان کیے گئے ہیں اور اس اصطلاح کی جو تشریح وتعبیر کی گئی ہے اس کی تائید نہ تو احادیث سے ہوتی ہے اور نہ فقہا کے اقوال اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

ان میں سے بعض تحریروں میں رِبا کو راس المال پر اس بلا استحقاق اضافے سے تعبیر کیا گیا ہے جس کا کوئی عوض دوسرے فریق کو نہ دیا جائے چاہے یہ اضافہ قرضوں میں ہو یا مبادلے کے معاملات میں ہو۔ اس نقطۂ نظر کے مطابق بلا استحقاق منفعت یا بلا استحقاق کسب کا ہر معاملہ رِبا ہے۔ تاجروں کا مروّجہ شرح منافع سے زیادہ نفقع دینا، ادھار کی صورت میں چیز زیادہ مہنگے داموں فروخت کرنا، صنعت کار کا اجیر کو غیر عادلانہ اُجرت دینا اور خود آمدن کے بڑے حصہ پر قابض ہونا،

فصل کی بٹائی میں کاشت کار کا استحصال یہ سب رِبا کی صورتیں ہیں۔ دوسرے الفاظ میں استحصال اور نفع خوری کی ہر شکل رِبا ہے۔(۱)

بعض مصنفین کے خیال میں دو ہم جنس چیزوں کا مبادلہ (Exchange) خواہ بیع کی صورت میں ہو یا قرض کی صورت میں، برابر اور دست بدست ہونا چاہیے، ورنہ یہ ایک ایسا اضافہ کہلائے گا جس کا کوئی عوض نہ ہو۔ بالفاظ دیگر دو ہم جنس چیزوں کے مبادلے سے متعلق احکام قرض پر بھی لاگو ہوں گے۔ روپے کا روپے کے ساتھ تبادلہ، خواص قرض ہی کی صورت میں ہو۔ برابر اور دست بدست ہونا چاہیے۔ لہٰذا قرض کی وہ صورت بھی کہ جہاں ایک ہزار روپے کے بدلے میں سال کے بعد ایک ہزار روپے ہی واپس کیے جائیں، ناجائز ہوگی کیوں کہ یہ دو ہم جنس چیزوں کے تبادلے سے متعلق حدیث کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔ اس نقطۂ نظر کے مطابق مذکورہ صورت میں مضمر رِبا یہ ہے کہ مدین ایک مخصوص مدت تک روپے سے منفعت حاصل کر رہا ہے اور یہ بالا استحقاق کسب کی ایک شکل ہے۔(۲)

کچھ دیگر مصنفین رِبا کو اس فرق (Discrepancy) سے تعبیر کرتے ہیں، جو دو ہم جنس چیزوں کے براہِ راست تبادلہ میں واقع ہوتا ہے اور فریقین کی معاہداتی ذمہ داری کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نقطۂ نظر کے مطابق راس المال پر جہاں اضافہ رِبا ہے وہاں اس میں کمی بھی رِبا ہے، کیوں کہ دی گئی اور لی گئی مقدار میں فرق واقع ہوا ہے۔(۳)

چناں چہ جس تبادلے میں مقدار میں فرق واقع نہیں ہوتا، وہ ایک درست معاملہ ہے چاہے ایک عوض کی سپردگی مؤخر کردی گئی ہو۔ یعنی پانچ تولے سونے کا پانچ تولے سونے کا تاخیر کے ساتھ تبادلہ مذکورہ نقطۂ نظر کے مطابق جائز ہے۔

مذکورہ نقطہ ہائے نظر جناب ڈاکٹر محمد ضیاء الحق صاحب، جناب عمران نیازی صاحب اور جناب ڈاکٹر سیّد طاہر صاحب کی کاوشِ فکر کا نتیجہ ہیں، زیرِنظر مقالے میں انھی کی تحقیقات کو

(۱) ڈاکٹر ضیاء الحق صاحب نے "The nature of Riba al-Nasi'ah and Riba al-Fadl" مطبوعہ اسلامک اسٹڈیز، جلد۲۱، شمارہ نمبر۴، ۱۹۸۲ء

(۲) عمران نیازی The Concept of Riba and Islamic Banking نیازی پبلشنگ ہاؤس، طبع اوّل، ۱۹۹۵ء

(۳) ڈاکٹر سیّد طاہر "What is Riba" Hikmat-e-Quran, Nov. 1994

"Riba al fadl" Hikmat-e-Quran August 1995

موضوعِ بحث بنایا گیا اور اپنے نقطۂ نظر کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

پہلا نقطۂ نظر

ڈاکٹر ضیاء الحق صاحب نے "The nature of Riba al-Nasi'ah and Riba al-Fadl" کے عنوان سے لکھے گئے ایک مقالہ میں رِبا پر اپنا نقطۂ نظر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس نقطۂ نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ رِبا بلااستحقاق اضافہ اور منفعت کا نام ہے۔ ہر وہ معاملہ جہاں ایک فرد بلااستحقاق آمدن کا مالک بنتا ہو، خواہ معاملے کے ظاہری صورت کچھ بھی ہو، رِبا کا معاملہ ہے۔(۴) رِبا کی واضح، قطعی اور معین شکل ربا النسیئہ ہے۔ ربا النسیئہ قرض کے راس المال پر مشروط اضافہ کا نام ہے اور یہ اضافہ ایک فریق کے لیے بلااستحقاق آمدن ہے جس کا اس نے کوئی عوض نہیں دیا ہے۔ ربا النسیئہ کی صورت میں اور لیا جانے والا اضافہ متعین ہوتا ہے لیکن ربا الفضل میں وصول کیے جانے والے منافع پہلے سے متعین نہیں ہوتے۔ یہ اس کے مقابلے میں ایک مبہم و غیرمعین رِبا ہے۔(۵) ربا الفضل معاملات کی ان تمام صورتوں پر پھیلا ہوتا ہے جہاں ایک فرد دوسرے کا معاشی استحصال کرتا ہے۔ معاصر سرمایہ دارانہ معیشت میں مشینوں اور ذرائع پیداوار پر قابض افراد کا کارکنان، محنت کشوں اور معاشی طور پر کمزور افراد کا استحصال اور ان کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھانا ربا الفضل کی شکلیں ہیں۔(۶) ڈاکٹر صاحب کے مطابق مزارعت اور فصل کی بٹائی کے معاملات میں بھی کاشت کار کا استحصال ہوتا ہے، لہٰذا یہ بھی ربا الفضل کا معاملہ ہے۔(۷) ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ معاملات کی بعض قدیم شکلیں بھی درحقیقت ربا الفضل ہی کی شکلیں تھیں، ان میں درخت پر لگے ناپختہ پھلوں اور کھڑی فصلوں کی فروخت، کھیت میں کھڑی فصل کو زمین پر پڑے غلے کے بدلے میں فروخت جیسے معاملات شامل ہیں۔(۸) اسی طرح تاجروں کا ضروری اشیا کی ذخیرہ اندوزی کرکے نفع کمانا، مروّجہ شرح سے زیادہ قیمت وصول کرنا، نقد کے مقابلے میں ادھار پر چیز زیادہ مہنگے داموں فروخت کرنا بھی ربا الفضل کے دائرے میں داخل ہے۔(۹)

---

(۴) ڈاکٹر ضیاء الحق، حوالہ مذکورہ، صفحہ ۲۰
(۵) حوالہ سابق صفحہ ۳۱
(۶) حوالہ سابق صفحات ۲۲، ۳۲
(۷) حوالہ سابق صفحہ ۳۶
(۸) حوالہ سابق صفحہ ۳۳
(۹) حوالہ سابق صفحات ۲۲، ۲۳، ۳۲

ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ ''اگر حرمتِ ربا کو صرف قرضوں تک محدود کردیا جائے، جیسا کہ قدیم فقہا کی رائے ہے، تو بلا استحقاق منفعت کی بہت سی صورتیں حرمت کے دائرے سے باہر ہوجائیں گی حالاں کہ ان میں مضمر ظلم و استحصال قرضوں پر سود سے پیدا ہونے والے ظلم و استحصال سے کہیں بڑھ کر ہے۔(۱۰)

نقد و تجزیہ

ربا الفضل پر فاضل مصنف نے جو موقف اختیار کیا ہے، اس کی تائید فقہی علمی سرمائے سے نہیں ہوتی۔ فقہی کتب میں ربا الفضل کی جو تعریفات دی گئی ہیں، ان سے ربا الفضل کا مفہوم یہ متعین ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسا اضافہ ہے جو ایک ہی جنس کی دو چیزوں کے دست بدست لین دین میں ہو۔ اس کی بنیاد حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو مخصوص ہم جنس اشیاء کے تبادلہ کے لیے برابری اور فوری قبضے کی شرط عائد کرتی ہے۔(۱۱) ڈاکٹر صاحب نے جن معاملات کو ربا الفضل کا نام دیا ہے، فقہی کتب میں انھیں دیگر عنوانات کے تحت زیر بحث لایا گیا ہے۔ ان میں سے کچھ ''غرر'' دھوکہ، فریب ''تدلیس وتغریر کے معاملات ہیں۔ کچھ کو قمار اور میسر کا نام دیا گیا ہے۔ تاجر کی ناجائز نفع خوری کو فقہاء نے ''غبن فاحش'' کا معاملہ قرار دے کر ناجائز کہا ہے۔ غرضے کہ شریعت نے ظلم و استحصال کے خلاف فرد کو تحفظ فراہم کیا ہے۔ بلا استحقاق کسب منفعت کو ناجائز ٹھہرایا ہے۔

شریعت میں ایک معاہدے کے باطل ہونے کے عام طور پر چار اسباب ہوتے ہیں:

۱۔ غرر (معاملے کا ابہام، غیر یقینیت، خطرہ وغیرہ)

۲۔ ربا

۳۔ قمار، میسر (جوا)

۴۔ تدلیس وتغریر (دھوکا، فریب، غلط بیانی)

غرر ایسا معاملہ ہوتا ہے جس میں دونوں طرف کے معاوضوں میں سے کسی ایک کا حصول غیر یقینی ہو یا اس معاوضے سے جو مقصد پیشِ نظر ہے، اس کا حصول غیر یقینی ہو۔ غرر اس

(۱۰) حوالہ سابق صفحات ۳۲

(۱۱) صحیح مسلم، مع شرح نووی، قاہرہ، مطبعہ عصریہ، ۱۳۴۹ھ، جلد ۱۱، ص ۱۴

خطرے کو کہتے ہیں جو محل بیع کی مقدار اور صفات سے لاعلم ہونے کی بنا پر ایک فریق کو لاحق ہو۔ غرر کا نمایاں وصف ابہام، غیر یقینیت، خطرہ وغیرہ ہیں۔(۱۲)

اس تعریف کی رو سے درخت پر پھل پیدا ہونے یا ان کے پختہ ہونے سے پہلے فروخت کرنے، کھیت میں کھڑی فصل کو زمین پر پڑے غلّے کے بدلے فروخت کرنے جیسے معاملات غرر کے معاملات ہیں کہ ان میں ایک فریق کے نقصان کا احتمال پایا جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسطرح کے تمام معاملات کو حرام قرار دیا ہے۔

اس سلسلے میں چند احادیث درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کے سرخی مائل ہونے سے پہلے انھیں بیچنے سے منع فرمایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں پھل سے محروم بھی تو کرسکتا ہے۔ اس صورت میں تمھیں اپنے بھائی کا مال کھانے کا کیا حق رہ جاتا ہے؟(۱۳)

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریاں پھینک کر طے پانے والی بیع اور غرر بیوع سے منع فرمایا ہے۔(۱۴)

۳۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ یعنی درخت کی کھجوروں کو چھوہاروں کے بدلے فروخت کرنے سے منع فرمایا۔(۱۵)

سابقہ صورت میں غرر یہ ہے کہ زمین پر موجود چھوہاروں کی مقدار تو متعین ہوتی ہے لیکن درخت پر موجود کھجوریں غیر متعین ہوتی ہیں۔ چناں چہ انھیں تخمیناً بیچا جاتا ہے۔

جہاں تک تجارت میں فریب، دھوکا دہی اور غلط بیانی سے حاصل ہونے والے بلااستحقاق منافع کا تعلق ہے، اس کے سلسلے میں بھی شریعت نے تفصیل سے احکام دیے ہیں اور فریب اور دھوکا دہی پر مبنی معاملات کو ناجائز قرار دے کر مشتری کو معاہدہ فسخ کرنے کا اختیار دیا

(۱۲) ڈاکٹر محمد صدیق ضریر، الغرر فی الغرر وآثارہ فی التطبیقات المعاصرہ، اسلامی ترقیاتی بینک، جدہ، ۱۹۹۳ء، ص ۳
(۱۳) شوکانی، نیل الاوطار، انصار السنہ، المحمدیہ، لاہور ۵، ص ۱۸۳
(۱۴) حوالہ سابق جلد ۵، ص ۱۵۶
(۱۵) زیلعی، نصب الرایہ، مجلس علمی، سورت، ہندو، ۱۹۳۸ء، ۱۰۱، جلد ۴، ص ۲۱

☆ اذا تعارض الحقیقۃ ... ☆

ہے۔''تدلیس وتغریر'' یا دھوکا وفریب کے جو معاملات فقہی کتب میں ہمیں ملتے ہیں، ان میں چند اہم معاملات درج ذیل ہیں:

۱۔ دیہاتی غلّہ فروشوں سے مارکیٹ سے دُور شہر کے باہر غلّہ کی خرید

۲۔ شہر سے تعلق رکھنے والے فرد کا دیہاتی تاجر کا ایجنٹ بن کر غلّہ فروخت کرنا۔

۳۔ دودھ دینے والے جانوروں کے تھنوں میں دودھ روک کر بیچنا۔

مذکورہ معاملات تدلیس وتغریر یعنی دھوکا دہی، فریب اور غلط بیانی کے معاملات ہیں۔ ان کی حرمت کے بارے میں واضح احادیث موجود ہیں:

۱۔ ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ شہری دیہاتی کے لیے (اس کا ایجنٹ بن کر) غلّہ فروخت نہ کرے۔(۱۶)

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے دیہات سے غلّہ لے کر آنے والے قافلوں سے راستوں پر ملاقات سے منع فرمایا ہے۔ اگر کوئی انسان کسی ایسے قافلے سے ملے اور اس سے کوئی چیز خرید لے تو بائع کو مارکیٹ پہنچنے پر سودا برقرار رکھنے یا سودا منسوخ کرنے کا حق حاصل ہے۔(۱۷)

ان دونوں احادیث میں ایسی صورتِ حال کا ذکر ہے کہ جب دیہاتی غلّہ فروش کو بازار کے بھاؤ کا علم نہیں ہوتا اور شہری تاجر اس کی ناواقفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے سستے داموں غلّہ خریدتا ہے اور پھر اسے بازار میں مہنگے داموں فروخت کرتا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں فروخت کنندہ اگر دیکھے کہ بازار کے بھاؤ اس سے کہیں زیادہ ہیں جن میں مشتری تاجر نے اس سے غلّہ خریدا تھا، تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ سودا منسوخ کردے۔ دراصل شارع کا منشا یہ ہے کہ دیہات سے غلّہ لانے والوں کو خود مارکیٹ کے اُتار چڑھاؤ دیکھنے کا موقع ملے اور ان کی عدم واقفیت سے کوئی ناجائز فائدہ نہ اُٹھائے۔

۳۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے دودھ کو تھنوں میں روک کر جانور کو بیچنے سے منع فرمایا ہے اور مشتری کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ سودا منسوخ کردے۔(۱۸)

---

(۱۶) نیل الاوطار، جلد۵، ص۱۷۴، ص۱۷۶ (۱۷) حوالہ سابق

(۱۸) حوالہ سابق، جلد۵، ص۲۲۶

☆ یقین شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا ☆ (فقہی ضابطہ)

جہاں تک ناجائز ذخیرہ اندوزی کے ذریعے نفع کمانے کا تعلق ہے، اسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے اور حاکم کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اس کے مرتکب شخص کو سزا دے۔ کھانے پینے کی چیزوں کی اس نیت سے ذخیرہ اندوزی کہ قیمتیں بڑھنے پر انھیں بیچ کر نفع کمایا جائے، اسلام کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ طرزِ عمل ہے۔

حدیث کے الفاظ ہیں: ''جس نے اس نیت سے ذخیرہ اندوزی کی کہ وہ لوگوں پر چیزیں مہنگی کر کے فروخت کرے، وہ خطا کار ہے اور اللہ اس سے بری ہے۔(۱۹)

ذخیرہ اندوزی سے نفع خوری کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے مروّجہ شرح منافع سے زیادہ نفع لینے کو بھی ربا الفضل کا معاملہ قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اسلام نفع کی کسی حتمی حد کا کوئی تعین نہیں کرتا وہ تاجروں کو یہ آزادی دیتا ہے کہ وہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے خود ہی اس کا تعین کریں۔ تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ تاجروں کو کھلی چھٹی دے دی جائے کہ وہ ایک چیز کی جو قیمت چاہیں وصول کرلیں، تمام فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ لوگوں کے مفاد میں ریاست کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قیمتوں کا تعین کرے۔ ریاستی محتسب کے من جملہ فرائض میں یہ فرض بھی شامل ہے کہ بازار میں ناپ تول کے پیمانوں، اشیا کی نوعیت اور قیمتوں پر نظر رکھے۔ اگر کوئی تاجر کسی چیز کی غیر معمولی قیمت وصول کرے، جو مروّج شرح سے بہت زیادہ ہو، تو فقہا اس سودے کو غبن فاحش کا سودا قرار دیتے ہیں اور خریدار کو سودا فسخ کرنے کا حق دیتے ہیں۔

ابن عابدین کہتے ہیں:

غبن فاحش یہ ہے کہ طے شدہ قیمت پر بازار میں کوئی خریدنے کے لیے تیار نہ ہو اور قیمت کا اندازہ لگانے والوں میں سے کوئی بھی یہ قیمت لگانے والا موجود نہ ہو۔ اگر یہ نمایاں نقصان دھوکا اور فریب کے ذریعے پہنچایا گیا ہو تو احناف کا فتویٰ یہ ہے کہ بیع فسخ کرنے کا حق خریدار کو حاصل ہے، یہی نقطۂ نظر حنابلہ کا بھی ہے۔(۲۰)

---

(۱۹) حوالہ سابق جلد۵، ص۲۳۳ جلد ۵

(۲۰) ابن عابدین، ردالمحتار، دار سعادت، مطبعہ عثمانیہ، ۱۳۲۶ھ، جلد۴، ص۲۲، ۲۲۱

جہاں تک نقد کے مقابلے میں ادھار پر چیز زیادہ مہنگے داموں فروخت کرنے کا تعلق ہے، فقہا کی اکثریت اسے جائز قرار دیتی ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ عادات و معاملات میں اصل جواز اور اباحت ہے الا یہ کہ ممنوع ہونے کی کوئی شرعی دلیل موجود ہو۔ ادھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کا ممنوع ہونا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہے، اس لیے مذکورہ شرعی قاعدہ کی روح سے یہ ایک مباح اور جائز کاروبار ہے۔

امام شوکانی نے ادھار کی وجہ سے قیمت بڑھانے کے جائز ہونے پر ایک مستقل رسالہ ''شفاء الغلل فی حکم زیادہ الثمن بجرد الاجل'' لکھا ہے۔ وہ ''نیل الاوطار'' میں لکھتے ہیں کہ امام زین العابدین، ناصر، منصور باللہ، ہادویہ تو اس کو جائز نہیں سمجھتے تھے لیکن شوافع، احناف امام زید بن علی اور جمہور اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔(۲۱)

حافظ ابن القیم ''اعلام الموقعین'' فرماتے ہیں۔

> ''حقیقت سے بہت ہٹ کر بات کی ہے جس نے ایک سودے میں دو سودوں سے ممانعت والی حدیث کو اس صورت پر محمول کیا ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کو ادھار کی صورت میں سو روپے اور نقد کی صورت میں پچاس روپے پر فروخت کرے۔ فی الواقع اس سودے میں نہ سود ہے نہ قیمت کا ابہام ہے، نہ دھوکا ہے، نہ قمار ہے اور نہ دوسری خرابیاں۔ اس لیے کہ بائع نے مشتری کو اختیار دیا ہے کہ جس قیمت پر چاہے خریدے''۔(۲۲)

فصل کی بٹائی بھی ایک جائز معاملہ ہے۔ فقہ حنفی میں مزارعت کے سلسلے میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے جو اس کے جواز کے قائل ہیں۔

قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں:

> ''میرے نزدیک مزارعت کی حیثیت مضاربت جیسی ہے، جس طرح ایک شخص کسی کو اپنا مال تجارت کے تہائی، چوتھائی نفع پر دیتا ہے، ایسے ہی

(۲۱) نیل الاوطار، جلد۵، ص۲۴۹، ۲۵۰

(۲۲) ابن القیم، اعلام الموقعین، طبع ۱۹۶۹ء، ج۳، ص۱۹۳

زمین تہائی، چوتھائی پیداوار پر دینا جائز ہے"۔(۲۳)

مزارعت کی ممانعت کی جو احادیث رافع بن خدیج، جابر بن عبداللہ اور ثابت بن ضحاک سے مروی ہیں وہ ان صورتوں سے متعلق ہیں جن میں کاشت کاروں کی حق تلفی ہوتی تھی اور صاحب زمین کو بلااستحقاق منفعت حاصل ہوتی تھی یا جن کا نتیجہ نزاع اور فساد کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا۔(۲۴)

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ بلااستحقاق کمائی اور نفع کا ہر معاملہ رِبا نہیں ہے۔ رِبا صرف وہ اضافہ ہے جو قرض کے راس المال پر مدت کے مقابلے میں ہو، یا دو ہم جنسی چیزوں کے دست بدست لین دین میں ایک فریق کو ادا کرنا پڑے۔ جن معاملات کا ذکر رِبا الفضل کے تحت کیا گیا ہے وہ درحقیقت غرر، قمار، تدلیس (دھوکا وفریب)، غبن فاحش وغیرہ کے تحت آتے ہیں اور رِبا کی طرح حرام اور ناجائز ہیں۔ انھیں رِبا الفضل کا معاملہ کہہ کر ناجائز ٹھہرانا محض ایک تکلف ہے۔ جب کہ شریعت پہلے ہی انھیں ناجائز قرار دے چکی ہے۔

دوسرا نقطۂ نظر

ربا پر یہ نقطۂ نظر جناب عمران نیازی صاحب نے اپنی تصنیف **The Concept of Riba and Islamic Banking** میں پیش کیا ہے۔ ربا پر ان کے مطلعہ کا امتیازی وصف یہ ہے کہ انھوں نے ربا کو ایک متحد و غیر منقسم اکائی کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے شمس الائمہ امام سرخسی کی تعریف ربا کو اپنے مطالعہ کی بنیاد بنایا ہے۔ امام سرخسی کی تعریف ربا یہ ہے "ربا معاہدہ بیع میں ایک فریق کے لیے وہ مشروط اضافہ ہے جس کا کوئی بدل نہ ہو"(۲۵) فاضل مصنف اس تعریف میں استعمال کیے گئے لفظ بیع کو تبادلہ (Exchange) سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ امام سرخسی کی یہ تعریف مبادلے کی ہر اس شکل کو ربا قرار دیتی ہے جس کا موضوع مختلف مقدار کی دو ہم جنس اشیا ہوں۔ "یہ تعریف دو ہم جنس چیزوں کے باہمی مبادلے کی ہر شکل پر منطبق ہوتی ہے، خواہ یہ مبادلہ بیع کی صورت میں ہو یا قرض کی صورت

(۲۳) ابویوسف، کتاب الخراج، ص۸۹

(۲۴) تقی امینی، اسلام کا زرعی نظام، مکتبہ امدادیہ ملتان، ص۱۷۸، ۱۷۹

(۲۵) سرخسی، کتاب المبسوط، مطبعہ السعادہ، القاہرہ، ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء، جلد۱۲، ص۱۰۹

میں۔''(۲۶)

مصنف موصوف اپنے نقطہ نظر کی یوں تشریح کرتے ہیں کہ قرآن میں وارد لفظ ربا مجمل ہے۔ ہم جنس چیزوں کے باہمی مبادلے سے متعلق احادیث نے اس ربا کو ایک واضح شرعی و قانونی نام دیا ہے۔ درہم و دینار کے جس لین دین کو قرآن قرض کا نام دیتا ہے، احادیث نے اسے بیع کا نام دیا ہے۔ بیع قرض کے مقابلے میں زیادہ جامع تعبیر ہے، اس میں ہر قسم کے تبادلے اور لین دین کا معاملہ آجاتا ہے۔ احادیث دو ہم جنس چیزوں کے باہمی تبادلے کے لیے برابری اور فوری لین دین کا تقاضا کرتی ہیں۔ اس تقاضے کو معاہدہ قرض میں بھی ملحوظ رکھا جائے گا کیوں کہ وہ بھی بیع اور مبادلے کا معاملہ ہے۔(۲۷) اگر کوئی شخص کسی کو ایک ہزار روپے ایک سال کی مدت کے لیے بطور قرض دیتا ہے اور مقررہ مدت پر اصل زر یعنی ہزار روپیہ ہی واپس لیتا ہے تو وہ ربا کا معاملہ کرتا ہے۔ یہ ربا النسیئہ کی ایک شکل ہے۔ اس میں مضمر ربا وہ منفعت ہے جو مدین اس عرصہ میں قرض کی رقم سے حاصل کر رہا ہے۔(۲۸) لہٰذا روپے کا روپے کا ساتھ تبادلہ ہمیشہ برابری اور فوری قبضہ کی بنیاد پر ہونا چاہیے، قطع نظر اس کے کہ معاملہ بیع کی صورت میں طے پایا ہے یا قرض کی صورت میں۔

مصنف کا خیال ہے کہ بینک اپنے گاہک کو ایک مخصوص مدت کے لیے جو قرض دیتا ہے، وہ بھی ربا کا معاملہ کرتا ہے۔ اگر وہ اس مدت کے اختتام پر گاہک سے اصل زر سے زائد وصول کرتا ہے تو وہ ربا الفضل اور ربا النسیئہ دونوں کا ارتکاب کرتا ہے لیکن اگر صرف اصل زر واپس لیتا ہے تو ربا النسیئہ کا معاملہ کرتا ہے، اس صورت میں ربا وہ تاخیر ہے جو ایک عوض کے سپردگی میں ہوئی ہے۔(۲۹)

فاضل مصنف کی رائے میں بینکوں میں جو بچتیں رکھوائی جاتی ہیں وہ بھی بنیادی طور پر کرنسی کے کرنسی سے تبادلہ کا معاملہ ہیں۔ ان میں بھی برابری اور فوری لین دین کی شرط کو ملحوظ رکھنا

---

(۲۶) عمران نیازی، تصور ربا اور اسلامی بینکاری، حوالہ سابق، ص ۲۰

(۲۷) حوالہ سابق، صفحات ۳۱، ۴۹، ۵۴، ۵۶ اور ۱۱۳

(۲۸) حوالہ سابق، ص ۲۹

(۲۹) حوالہ سابق، ص ۴۸

ضروری ہے، بصورت دیگر یہ ربا کا معاملہ ہوگا۔(۳۰)

مصنف کا خیال ہے کہ جس اضافہ پر ربا کا اطلاق ہوتا ہے وہ دو طرح کا ہے۔ اولاً۔ دو ہم جنس اشیا کے تبادلہ میں ایک کی مقدار میں اضافہ۔ یہ ایک واضح ربا ہے۔ شرعی اصطلاح میں یہ اضافہ ربا الفضل ہے۔ ثانیاً۔ دو ہم جنس اشیاء تبادلہ میں ایک کی سپردگی میں تاخیر۔ چاہے دونوں اشیاء، مقدار میں برابر ہوں۔ یہ ربا النسیئہ ہے۔(۳۱) چناں چہ اگر کوئی شخص ایک مخصوص مدت کے لیے دیے جانے والے قرضے میں سو روپے کے بدلے ۱۱۰ روپے وصول کرتا ہے تو ربا الفضل کا معاملہ کرتا ہے، لیکن اگر ۱۰۰ روپے یعنی اصل زر ہی واپس لیتا ہے تو یہ ربا النسیئہ کا معاملہ ہے۔ اس صورت میں ربا مدت قرض کے دوران اس رقم کا استعمال ہے اور اس سے نفع اٹھانا ہے۔(۳۲)

نقد و تجزیہ

مذکورہ نقطۂ نظر سے غلط مفروضوں پر مبنی ہے، ذیل میں چند کی نشان دہی کی جاتی ہے:

لفظ رِبا کا مجمل ہونا

پہلا مفروضہ یہ ہے کہ قرآن میں وارد لفظ رِبا صوم وصلوٰۃ کے الفاظ کی طرح مجمل ہے۔ اس اجمال کی تشریح وتفسیر عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے، لہٰذا یہ حدیث رِبا کی اصل ہے۔(۳۳)

امر واقع ہے کہ لفظ صوم وصلوٰۃ کی طرح کبھی بھی مبہم ومجمل لفظ نہیں رہا۔ رِبا کا مفہوم ظہور اسلام سے پہلے بھی عربوں کے ذہنوں میں واضح تھا۔

قاضی ابوبکر ابن عربیؒ لکھتے ہیں، ''زمانہ جاہلیت میں جو رِبا رائج تھا وہ بالکل مشہور و معروف طریقے پر ان کے ہاں رائج تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص دوسرے کے ساتھ مدت مقررہ تک قرض کا کوئی معاملہ کرتا، جب میعاد آجاتی تو قرض خواہ قرض دار سے کہتا، میرا قرض دیتے ہو یا سود دیتے ہو، تو اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کردیا۔(۳۴)

---

(۳۰) حوالہ سابق (۳۱) حوالہ سابق، ص۲۱

(۳۲) حوالہ سابق، ص۲۹ (۳۳) حوالہ سابق، ص۵۶

(۳۴) ابن عربی، احکام القرآن، طبع بیروت، ۱۹۸۸ء، جلد ۱، ص۳۲۰، ۳۲۱

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں ''ادھار کا سود جاہلیت کے زمانے میں مشہور ومعروف تھا۔ اس کی شکل یہ ہوتی تھی کہ لوگ اپنا ادھار مال اس شرط پر لوگوں کو دیتے تھے کہ اتنی مقدار میں ماہانہ سود دینا ہوگا اور اصل رقم برقرار رہے گی، جب ادائیگی کی میعاد پوری ہوجاتی تو قرض دار سے ادائیگی کا مطالبہ کرتے۔ اگر وہ ادائیگی سے معذور ہوجاتا تو میعاد بڑھا دی جاتی اور اس میعاد کے بدلے میں سود بھی بڑھا دیا جاتا۔ یہی وہ رِبا تھا جس پر جاہلیت کے زمانے میں معاملات ہوتے تھے۔(۳۵)

عربو کے لیے اگر کوئی ربا نامانوس تھا تو وہ بیوع والا ربا تھا، جس کی تحریم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے آخری سالوں میں نازل ہوئی۔

قاضی ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ ''عرب یہ نہیں جانتے تھے کہ سونے کا سونے سے یا چاندی کا چاندی سے تاخیر کے ساتھ تبادلہ بھی ربا ہے حالاں کہ شریعت میں وہ بھی ربا ہے۔''(۳۶) یہ درست ہے کہ قاضی ابوبکر جصاصؒ ربا کو مجمل ہی قرار دیتے ہیں۔ اس کے اجمال کا سبب یہ ہے کہ یہ لفظ لغوی معنی سے ہٹ کر ایک نئے شرعی معنی سے استعمال ہوا ہے۔ تاہم ان کے نزدیک یہ اجمال صوم وصلوۃ والا اجمال نہیں ہے۔ وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ عرب اس ربا سے مکمل طور پر واقف تھے جو درہم و دینار کے قرضوں میں رائج تھا۔

وہ لکھتے ہیں ''یہ آیت نازل کرکے اللہ تعالیٰ نے اس ربا کو باطل اور حرام قرار دیا جو عربوں کے ہاں عام طور پر رائج تھا، لیکن ساتھ ہی احادیث کی رو سے خرید وفروخت کی بہت سی صورتیں باطل قرار دیں اور ان کو بھی شرعی اصطلاح کی رو سے ربا نام دیا اس طرح ''حرم الربا'' کا حکم ان سب کو شامل ہوگیا کیوں کہ شرعی طریقہ سے ربا کا اسم ان کو بھی شامل ہے۔(۳۷)

دلچسپ بات یہ ہے کہ فاضل مصنف نے ربا سے متعلق ابوبکر جصاص کے موقف کا وہ حصہ تو قبول کیا ہے جس میں آپ نے اسے مجمل لفظ قرار دیا ہے لیکن اس حصہ کو جس میں انھوں نے ربا الدیون کو اصل اور مستقل بالذات ربا قرار دیا ہے، نظر انداز کردیا ہے۔ ابوبکر

(۳۵) رازی، التفسیر الکبیر، طبع مصر، ۱۹۳۸ء، جلد ۷، ص ۹۱

(۳۶) جصاص، احکام القرآن، المطبعہ، البہیہ، المصریہ، مصر، ۱۳۴۷ھ، جلد ۱، ص ۵۵۱

(۳۷) حوالہ سابق، جلد ۱، ص ۵۵۲

جصاص نے ربا کی یوں تعریف کی ہے۔

''ربا قرض کا وہ معاملہ ہے جس میں میعاد مقرر کی گئی ہو اور قرض لینے والے پر قرض کی اصل رقم سے کچھ زیادہ دینے کی شرط لگائی گئی ہو۔(۳۸)

قرض پر بیع کا اطلاق

دوسرا مفروضہ یہ ہے کہ قرض بنیادی طور پر معاہدہ بیع ہے۔(۳۹) یہ بھی سابقہ مفروضہ کی طرح ایک غلط اور خلاف واقع مفروضہ ہے۔قرض اور میں بعض بہت ہی بنیادی قسم کے فرق ہیں۔ بیع میں مقصود منفعت ہوتی ہے۔ احسان یا کسی کی مدد اس کے بنیادی مقاصد کا حصہ نہیں ہوتے۔قرض مدد، تعاون اور احسان کا معاملہ ہے۔ بیع کے برعکس اس میں عوض یا معاوضہ وہ اجر و ثواب ہے جس کی امید کسی ضرورت مند کو قرض دیتے ہوئے دائن خدا سے رکھتا ہے اس کے اسی بنیادی وصف کی وجہ سے فقہاء معاہدہ قرض کو عقود المعاوضات میں شمار نہیں کرتے بلکہ اسے ہبہ، صدقہ اور احسان کے معاملات میں شمار کرتے ہیں۔

ڈاکٹر وھبہ زحیلی لکھتے ہیں''عقود معاوضات میں بیع، اجارہ، صرف، صلح، استصناع، مزارعت، مساقات وغیرہ شامل ہیں جب کہ قرض، کفالہ (کفیل بننے کا معاہدہ)، معاوضہ کی شرط پر ہبہ جیسے معاملات ابتداً ہبہ اور صدقہ کے معاملات ہوتے ہیں جو اختتام معاہدہ پر عقد معاوضہ بن جاتے ہیں۔(۴۰)

وہ مزید لکھتے ہیں''قرض بنیادی طور پر ایک معاہدہ ہبہ اور احسان ہے اگرچہ مدت کی انتہاء پر اس میں عوض بھی شامل ہو جاتا ہے تاہم صدقہ اور احسان کا پہلو اس میں غالب ہے۔اس کا معاملہ احسان ہونا اس امر سے مترشح ہے کہ دائن اپنی رقم کے منافع مدین کو ایک مخصوص مدت تک ہبہ کرتا ہے۔اگر یہ معاوضہ و منفعت کا معاملہ ہوتا تو بیع کی طرح اس میں بھی راس المال پر نفع لینا جائز ہوتا حالاں کہ ایسا نفع لینا ناجائز ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ معاہدہ قرض کا

(۳۸) جصاص، حوالہ، سابق، جلد۱، ص۴۲۹

(۳۹) عمران نیازی، تصور ربا اور اسلامی بینکاری، حوالہ سابق، ص۴۹

(۴۰) وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دارالفکر، دمشق، ط۳، ۱۹۸۹ء، جلد۴، ص۲۴۴

غالب وصف اس کا ہبہ ہونا ہے۔(۴۱)

معاہدہ قرض میں دائن خود کو اپنی رقم کے استعمال سے ایک عرصہ تک محروم رکھتا ہے۔ اسی طرح یہ صدقہ و ہبہ کی ایک شکل بن جاتی ہے۔ پھر میعاد ادائیگی پر بھی رقم کا حصول کوئی یقینی امر نہیں۔ مدین کی عسرت و تنگ دستی کی صورت میں دائن کو مزید انتظار کرنا پڑتا ہے۔ قرآن کی ہدایت کے مطابق ایسی صورت حال میں مدین کو مزید مہلت دینی پڑتی ہے۔ اس طرح یہ معاملہ بعض اوقات ابتدائے معاہدہ سے انتہا تک صدقہ و احسان کا معاملہ بن جاتا ہے۔

مذکورہ مفروضہ کو آگے بڑھاتے ہوئے ایک دعویٰ یہ بھی کیا گیا ہے کہ حنفی فقہا کی پیش کردہ تعریفات رِبا میں لفظ بیع وسیع اور عمومی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ شمس الائمہ امام سرخسی کی تعریف رِبا کا بطور خاص حوالہ دیا گیا ہے کہ اس میں لفظ بیع مبادلہ (Exchange) کے معنوں میں آیا ہے۔ چناں چہ امام سرخسی کے نزدیک دو ہم جنس چیزوں کا اضافہ کے ساتھ مبادلہ، خواہ وہ بیع کی صورت میں ہو یا قرض کی صورت میں رِبا ہے۔ اسی طرح یہ تعریف دیون والے رِبا پر بھی منطبق ہوتی ہے۔

یہ بھی ایک خلافِ واقع بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام سرخسی، امام کاسانی اور دیگر حنفی فقہا نے بیع کے سیاق میں جس رِبا کا ذکر کیا ہے، وہ مخصوص ہم جنس اشیا کے تبادلے میں اضافہ ہے۔ اس کے مفہوم میں قرض شامل نہیں ہے۔ اس بات کی تصدیق درج ذیل امور سے ہوتی ہے۔

۱۔ امام سرخسی اور امام کاسانی نے رِبا الفضل کا ذکر اپنی کتاب کے باب البیوع میں کیا ہے۔ دیون والے رِبا کا ذکر ان کے ہاں الگ سے ایک اور باب ''باب القرض'' میں ملتا ہے۔(۴۲) رِبا الفضل کا ذکر باب البیوع میں اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ حقیقت باطل بیوع کی ایک قسم ہے، اس کے باطل ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس میں برابری کے شرعی تقاضے کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ رِبا الفضل کی فطری جگہ باب البیع ہے نہ کہ باب القرض کہ یہ بنیادی طور پر بیع کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔ رِبا پر یہ طریقہ مطالعہ سرخسی اور کاسانی کے

(۴۱) حوالہ سابق

(۴۲) کاسانی، بدائع الصنائع، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، صفحہ ۱۰۱، ۱۹۹۰ء، کتاب القرض، جلد ۷، صفحات ۳۹۴، ۳۹۶

علاوہ کئی دیگر فقہا نے اختیار کیا ہے۔ یہ فقہا ربا الفضل کو باب البیوع میں بیان کرتے ہیں۔ جب کہ قرض والے رِبا کو مستقلاً باب القرض میں زیر بحث لاتے ہیں، فخر الدین الزیلعی (۴۳)، محمد الخرشی (۴۴)، ابن قدامہ (۴۵)، البہوتی (۴۶)، الخطاب (۴۷) اور دیگر کئی نمایاں اہلِ علم نے یہ منہج اختیار کیا ہے۔

۲۔ کاسانی نے دو ہم جنس چیزوں کے تبادلہ میں تاخیر کو ربا النساء کا نام دیا ہے۔(۴۸) اس طرح ربا النساء خود بخود اس رِبا سے علیٰحدہ ہوگیا ہے جو قرضوں میں واقع ہوتا ہے اور جسے ربا النسیئہ کا نام دیا جاتا ہے۔

۳۔ بعض حنفی فقہا نے تو ایک ہی باب میں صراحت کے ساتھ دونوں قسموں کے رِبا کو الگ الگ بیان کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دین والے رِبا کو بیع والے رِبا میں شامل نہیں سمجھتے۔ ہدایہ کے شارح کمال بن الہمام لکھتے ہیں کہ رِبا قرض کے راس المال میں زیادتی اور ہم جنس رِبا اموال کی بیع میں مقدار کا اضافہ ہے۔(۴۹)

۴۔ رِبا کی بیوع اور دیون میں تقسیم صرف حنفی الفقہا کے ہاں ہی نہیں ملتی، دیگر فقہی مکاتب نے بھی اسے اختیار کیا اور ان کی کتب میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ ابن رُشد المقدمات میں لکھتے ہیں، ''رِبا نقد کی نقد کے ساتھ بیع اور ذمہ میں ثابت ہونے والے دیون میں واقع ہوتا ہے۔''(۵۰) ابن رُشد (حفید) بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں، 'علما کا اتفاق ہے کہ رِبا دو چیزوں میں واقع ہوتا ہے، بیع میں اور ذمہ میں ثابت ہونے والے دیون میں جو بیع موجل اور قرض وغیرہ سے پیدا ہوتا ہے۔(۵۱)

---

(۴۳) الزیلعی، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، المطبعہ الکبریٰ الامیریہ، بولاق، ۱۳۱۵ھ، ص۱۰۱، جلد۴، ص۸۵

(۴۴) محمد الخرشی، شرح مختصر خلیل، مطبعہ امیریہ، ۱۳۱۷ھ، ۳۰، جلد۵، ص۳۶

(۴۵) ابن قدامہ، المغنی، دار المنار، قاہرہ، ط۳۰، ۱۳۶۷ھ، جلد۴، ص۱

(۴۶) البہوتی، کشاف القناع، مطبعہ انصار المحمدیہ، ۱۹۴۸ء، جلد۴، ص۲۰۵

(۴۷) الخطاب، مواہب الجلیل شرح مختصر خلیل، مطبعہ السعادہ، مصر ۱۳۲۹ھ، جلد۴، ص۴۰۰

(۴۸) کاسانی، بدائع الصنائع، حوالہ سابق

(۴۹) ابن ہمام، شرح فتح القدیر، مکتبہ تجاریہ کبریٰ، مصر، جلد۵، ص۲۷۴

(۵۰) ابن رُشد (جد)، المقدمات، مطبعہ السعادہ، مصر، ۱۳۲۵ھ، ص۱۶۵

(۵۱) ابن رُشد (حفید)، بدایہ المجتہد، مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۹۶۰ء، جلد۲، ص۱۲۸

فقہاء شافعیہ نے رِبا کی تین قسمیں بیان کی ہیں: رِبا الفضل، رِبا الید اور رِبا النساء۔

۱۔ رِبا الفضل: یہ ہم جنس اشیا کے دست بدست لین دین میں ایک عوض میں زیادتی ہے۔

۲۔ رِبا الید: یہ ان اشیا کے تبادلہ میں ایک کی سپردگی میں تاخیر ہے۔

۳۔ رِبا النساء: بیع موجل میں قیمت کی ادائیگی کی میعاد میں توسیع کے بدلے قیمت میں مزید اضافہ رِبا النساء ہے۔

شربینی خطی کا بیان ہے کہ شافعی فقیہ التتولی نے ان تین اقسام میں ایکاور قسم رِبا القرض کا اضافہ کیا ہے۔ یہ وہ قرض ہے جس میں دائن کے لیے نفع مشروط ہو۔(۵۲)

شافعی فقہا میں رملی وہ واحد فقیہ ہیں جنھوں نے قرض والے رِبا کو رِبا الفضل قرار دیا ہے۔ لیکن اس کی وضاحت ایک اور شافعی مصنف نے یوں کی ہے کہ رملی نے رِبا القرض کو رِبا الفضل کہا ہے جب کہ فی الواقع وہ اس سے مختلف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دائن کے لیے نفع یا اضافہ کی شرط گویا قرض کو اپنی جنس کی چیز سے اضافہ کے ساتھ بیچنا ہے۔ اس طرح وہ مجازاً رِبا الفضل ہے۔(۵۳)

۵۔ قرض والے رِبا کے بیع کے رِبا میں شامل نہ ہونے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ دو ہم جنس چیزوں کا تاخیر سے تبادلہ چاہے وہ برابری کی بنیاد پر ہی کیوں نہ ہو، ناجائز ہے۔ جب کہ دو ہم جنس چیزوں کا قرض کی بنیاد پر تبادلہ نہ صرف جائز ہے بلکہ شریعت میں مستحسن ہے یعنی اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ ایک من گندم کا ایک من گندم سے اس طور پر تبادلہ کرے کہ ایک عوض فوری طور پر سپرد اور دوسرا مؤخر کردیا جائے تو یہ ایک ناجائز بیع ہوگی کہ یہ رِبا النساء کا معاملہ ہے لیکن اگر کوئی شخص کسی کو ایک من گندم ادھار دیتا ہے اور واپس ایک من گندم ہی لیتا ہے تو یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ شریعت کی نظر میں ایک محبوب و پسندیدہ عمل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دو ہم جنس اشیا کا وہی مبادلہ (Exchange) حرام ہے جو بیع کی صورت میں ہو نہ کہ قرض کی صورت میں۔ اسی بنا پر علما رِبا النساء کی یوں تعریف کرتے ہیں۔

(۵۲) محمد الشربینی الخطیب، مغنی المحتاج الی معرفہ معانی الفاظ المنہاج، المکتبہ التجاریہ الکبریٰ، مصر، جلد۲، ص۲۱

(۵۳) شمس الدین محمد الرملی، نہایہ المحتاج، المطبعہ البہیہ الامیریہ، قاہرہ، ۱۳۰۴ھ، جلد۳، ص۳۹

یہ دو ہم جنس چیزوں کی تاخیر کے ساتھ بیع کا نام بشرطیکہ وہ قرض نہ ہو۔

قرض میں مدت کا تعین

ایک بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ قرض میں مدت کا تعین معاہدہ قرض کو رِباالنسیہ کا معاملہ بنا دیتا ہے۔ اس صورت میں رِبا ان منافع کو کہا جائے گا جو مدت قرض کے دوران مدین رقم کے استعمال سے حاصل کرتا ہے یا حاصل کرسکتا ہے۔ معاہدہ قرض چوں کہ بنیادی طور پر دو ہم جنس اشیا کا تبادلہ ہے، لہٰذا مذکورہ نقطۂ نظر کے مطابق اسے دست بدست ہونا چاہیے، تاخیر سے یہ معاملہ رِباالنسیہ کی شکل اختیار کر جائے گا۔

یہاں دو بہت ہی بنیادی قسم کے سوال پیدا ہوتے ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ مدت قرض کے دوران رقم کی استعمال کو کیوں رِباالنسیہ کا نام دیا جائے جب کہ خود دائن لطورِ احسان ایک مدت تک اس سے دست بردار ہوا ہے۔ پھر یہ کہ خود شریعت نے واضح نصوص سے اس کی اجازت دی ہے اور اس مدت کے معاملہ میں اعتبار بھی نہیں کیا۔ اگر مدت کی کوئی حسی و مادّی حیثیت ہوتی تو اس کا عوض لینا جائز ہوتا مگر ایسا نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مدت کی وجہ سے حاصل ہونے والا ہر نفع رِبا نہیں ہے بلکہ رِبا صرف وہ منافع ہیں جو دو ہم جنس چیزوں کے تبادلہ میں ایک چیز کو مؤخر کرنے سے متعلقہ شخص کو حاصل ہوتے ہیں۔ مقدم الذکر قرضِ حسنہ کی شکل ہے اور جائز ہے اور مؤخر الذکر رِباالنساء ہے اور ناجائز ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ قرض میں مدت کی تعین سے معاہدہ قرض رِبا کا معاملہ کیسے بن گیا؟ زیادہ سے زیادہ اس معاملہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ معاہدہ میں مدت کا تعین بعض فقہا کے نزدیک غیر ضروری ہے اور دائن کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے قرض کا جب چاہے مطالبہ کرلے لیکن اس طرح کے معاملہ کو سود کا معاملہ کس بنیاد پر کہا جائے گا۔

اب ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ معاہدہ قرض میں مدت کے تعین کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

اس موضوع پر قرآن و سنت اور فقہا کے اقوال کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ قرض میں مدت کا تعین شریعت میں نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحسن ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸۸ معاہدہ

دین میں واضح طور پر تعین مدت پر زور دیتی ہے۔ آیت کے الفاظ ہیں ''اے ایمان والو! جب تم کسی مقررہ مدت کے لیے آپس میں دین کا معاہدہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔'' (۵۴)

اس آیت کی تشریح میں امام جصاص فرماتے ہیں:

یہ آیت لین دین کے ان تمام معاملات کو شامل ہے جن میں میعاد مقرر کرنا جائز ہے۔ (۵۵)

مذکورہ آیت میں دین کا لفظ جو استعمال ہوا ہے اس میں قرض، بیع موجل میں مبیع کی قیمت، عقد سلم کی مبیع وغیرہ سب داخل ہیں۔ ان تمام دیون کی میعاد مقرر کرنا شرعاً مستحسن ہے۔

فقہ کی کتابوں میں حوالہ، کفالہ اور رہن کے احکام کا بڑی حد تک مدار دیون کی تعین مدت پر ہے۔ تمام فقہا اس پر متفق ہیں کہ مرتہن مال مرہون کو میعاد قرض کے اختتام سے قبل بیچ نہیں سکتا جو اس بات کی دلیل ہے کہ معاہدہ دین میں مدت کا تعین ضروری ہے، اسی طرح جمہور فقہا کے نزدیک حوالہ دین کی درستگی کے لیے ضروری ہے کہ محال علیہ پر واجب الاداء دین کی میعاد ادائیگی اور محیل یعنی قدیم مدین کے دین کی مدت ادائیگی ایک ہو۔

احادیث کی کتاب میں بھی معاہدہ قرض میں تحدید مدت کے جواز کی دلیل ملتی ہے۔ بنی نضیر کی جلاوطنی کا واقعہ جو واقدی نے المغازی اور امام محمد نے موطا میں نقل کیا ہے، اس امر کی تائید کرتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ دین میں تحدید مدت کو جائز سمجھتے تھے۔

واقدی لکھتے ہیں:

حضور ﷺ نے قبیلہ بنونضیر کو مدینہ سے جلاوطن کردیا اور حضرت محمد بن مسلمہ کو اس کا نگران مقرر فرمایا، اس وقت وہ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور آ کر کہا کہ لوگوں پر ہمارے دین واجب ہیں جن کی ادائیگی مختلف مدتوں پر ہوتی ہے تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''جلدی لے لو اور ساقط کردو۔ (۵۶)

---

(۵۴) سورۂ بقرہ، آیت ۲۸۲

(۵۵) جصاص، احکام القرآن، حوالہ سابق، جلد ۱، ص ۴۸۳

(۵۶) واقدی، مغازی، جلد ۱، ص ۱۷۹

ذیل کی فقہی نصوص میں واضح طور پر معیاد قرض کے الفاظ نقل ہوئے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ فقہا کے نزدیک میعاد قرض کا تعین ناجائز امر نہیں ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ:

> ہم اس سے استدلال کرتے ہیں اگر ایک شخص کا دوسرے شخص کے ذمہ کسی مدت پر دَین واجب ہو اور وہ اس سے کہ کہ وہ اس کا کچھ دَین ساقط کردے گا بشرطیکہ وہ بقیہ دین فوراً ادا کردے تو یہ صورت درست نہیں۔(۵۷)

> اس اقتباس سے جہاں ''ضع وتعجل'' کے معاملہ کی کراہت ثابت ہوتی ہے وہاں مدت قرض کے تعین کا جواز بھی ملتا ہے۔

علامہ ابن قدامہ فرمانے ہیں:

> اگر ایک شخص کا دوسرے پر دَین موجل ہو، اب وہ شخص اپنے قرض خواہ سے کہے کہ مجھ سے دَین کا کچھ حصہ ساقط کر دو، بقیہ دَین میں فوراً ادا کردوں گا، یہ صورت جائز نہیں۔(۵۸)

ابن قدامہ کے اسی قول میں ''دین موجل'' کے الفاظ تحدید مدت کے جواز کی نشان دہی کرتے ہیں۔

المدونہ الکبریٰ میں آیا ہے:

> میں نے ان سے کہا، اس مسئلے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ اگر ایک شخص کے ذمہ میرے ایک ہزار روپے دَین ہوں اور اس کی ادائیگی کا وقت آچکا ہو اور میں اس سے کہوں کہ اگر تم نے مہینہ شروع ہونے پر سو درہم ادا کردیے تو نو سو درہم تمھارے ہیں اور اگر تم نے ادا نہیں کیے تو پھر پورے ایک ہزار درہم ادا کرنے پڑیں گے؟ اس کے جواب میں امام مالک نے فرمایا: ''اس میں کوئی حرج نہیں۔(۵۹)

---

(۵۷) موطا امام مالک، باب الرجل، یبیع المتاع او غیرہ نسیئہ ثم یقول، انقدنی واضع عنک، جلد۱، ص۲۲۳

(۵۸) المغنی، حوالہ سابق، جلد۴، ص۱۷۴

(۵۹) المدونہ الکبریٰ، کتاب الصلح، جلد۱۱، ص۲۷

کسی مدت تک دَین کو مؤخر کرنے کے بارے میں علما کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ قرض چاہے موجل ہو یا غیر موجل، دونوں صورتوں میں دائن اپنا قرض جب چاہے وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس لیے کہ یہ مدت ان کے نزدیک وعدہ اور ہبہ غیر مقبوض کی طرح ہے۔ امام مالکؒ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ جب کسی مدت تک کے لیے قرض دے دیا تو پھر دائن اس مدت سے پہلے قرض واپس لینا چاہے تو واپس نہیں لے سکتا۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تحدید مدت تو ناجائز نہیں ہے لیکن دائن پر اس کی پابندی لازم نہیں وہ اس مدت سے پہلے بھی اپنے قرض کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض بنیادی طور پر احسان کا معاملہ ہے، قرض دینا دائن کی کوئی شرعی و قانونی ذمہ داری نہیں۔ لہٰذا وہ پابند نہیں ہے کہ اس مخصوص مدت تک انتظار کرے۔ معاہدہ عاریت میں بھی ایک شخص مال مستعار کا مدت مقررہ سے پہلے واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

امام مالکؒ ''**المسلمون عند شروطهم**'' کے اصول کے تحت دائن کے مدت قرض سے پہلے ادائیگی کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔(۶۰)

عملی نقطۂ نظر سے امام مالکؒ کا موقف زیادہ وزنی اور وقیع ہے۔ اگر قرض میں مدت کا تعین نہ کیا جائے تو کوئی شخص بھی قرض دے سکے گا اور نہ لے سکے گا۔ قرض لینے والے کو ہر وقت یہ خدشہ لاحق رہے گا کہ دائن کسی وقت بھی اس سے قرض کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ اس طرح وہ اطمینان سے رقم کو اپنے تصرف میں نہیں لاسکے گا۔ قرض دینے والے کو بھی یہ خدشہ لاحق ہوگا کہ مدین تنگ دستی کا بہانہ کر کے قرض کو غیر معینہ مدت تک ٹال سکتا ہے۔

قرآن کے حکم ''**فان كان ذو عسرة**... الخ'' پر بھی اگر گہرائی کے ساتھ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنے اندر تعین مدت کا مفہوم لیے ہوئے ہے۔ ''اگر مدین تنگ دست ہو تو اسے آسانی تک مہلت دے دو'' کے الفاظ بتاتے ہیں کہ پہلے ایک مدت متعین ہے جس پر مدین تنگ دستی وعسرت کے باعث ادائیگی نہیں کر پاتا۔ چناں چہ دائن کو مدین کے معاشی حالات بہتر ہونے تک انتظار ہدایت کی جارہی ہے۔

---

(۶۰) وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، حوالہ سابق، جلد۴، ص۷۲۲

☆جلبِ مصلحت کی نسبت مفاسد کو دور کرنا زیادہ بہتر ہے☆

شریعت میں دائن کے حقوق کے تحفظ کے لیے بہت سے احکام دیے ہیں جن میں و ثیقہ قرض کو حیطہ تحریر میں لانا، گواہوں کے ذریعے تصدیق کا حق، ضمانت، رہن وغیرہ شامل ہیں۔ ان سب احکام کا منشا یہ ہے کہ دائن کا حق کسی طور پر ضائع نہ ہو۔ دَین میں مدت کا تعین تقاضائے شرح کے عین مطابق ہے کہ اس سے بھی دائن کے حقوق کا تحفظ ہوتا ہے۔

رِبا پر سابقہ نقطۂ نظر کا نمایاں وصف یہ ہے کہ ایک یہ غیر منطقی اور غیر عملی مؤقف ہے۔ یہ جہاں قرض کی حوصلہ شکنی کرتا ہے وہاں روپوں کی شکل میں بچتیں رکھوانے کے دروازے بھی بند کردیتا ہے۔ سناروں کی صنعت بھی اس سے ٹھپ ہوکر رہ جاتی ہے کہ اس نقطۂ نظر کے مطابق پانچ تولے ان ڈھلے سونے کا تبادلہ اسی وزن کے ہار سے برابری کے ساتھ ہوگا اور صنعت کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے گا۔ خود مصنف کا اپنا خیال بھی یہی ہے کہ یہ اصول سناروں کے کاروبار کو متاثر کرسکتا ہے۔(۶۱) حالاں کہ درست عملی مؤقف یہ ہے کہ ہم سنار سے سونے کا مبادلہ نہیں کرتے بلکہ اسے سونا دے کر اپنے مطلب کی چیز بنوا رہے ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ اسی طرح اپنے عمل اور کاری گری کی اُجرت لینے کا حق دار ہے جس طرح ایک درزی اور نان بائی۔ اس صورت میں اگر آپ اسے ایک تولہ زائد سونا بھی دے دیں تو یہ اس کے کام کے مقابلے میں ہوگا۔ اس طرح ہم اسے معاہدہ استصناع کے تحت لاکر ایک جائز و مباح معاملہ بنا سکتے ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ اس معاملے کو سونے کا سونے سے تبادلہ کہہ کر اس پر برابری کا اصول لاگو کیا جائے اور نتیجہ کے طور پر سنار کے کاروبار کے جواز کو مشکوک بنا دیا جائے۔

پھر دلچسپ بات یہ ہے کہ مصنف کی تعبیر رِبا کی ایک طرف تو اتنی سخت گیر ہے کہ معاملہ کی ہر شکل کو حرام قرار دیے جا رہی ہے اور دوسری طرف رِبا کی بعض بہت واضح اشکال کو منضبط کرنے سے قاصر ہے۔ ان کی اختیار کردہ تعریف رِبا یہ ہے:

''رِبا عقد بیع میں سے ایک ایسا مشروط اضافہ ہے جس کا کوئی عوض نہیں۔''

یہ تعریف ربا الفضل کے حوالہ سے تو درست ہے کہ ربا الفضل دو ہم جنس چیزوں کا ایسا لین دین ہے جس میں ایک چیز مقدار میں دوسری سے زیادہ ہوتی ہے اور وہ زیادتی بلاعوض ہوتی

(۶۱) عمران نیازی، تصورِ ربا اور اسلامی بینکاری، حوالہ سابق، ص۸۴

ہے لیکن ربا النسیئہ پر اس کا اطلاق درست نہیں۔ اس کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ ایک شخص جب کسی کو ایک سال کی مہلت پر ایک ہزار روپے دیتا ہے اور پندرہ سو روپے وصول کرتا ہے تو یہ اضافی رقم اس مہلت اور تاخیر کے بدلے میں لیتا ہے جو اس نے مدین کو دی ہے۔ اس معاملہ کو مذکورہ تعریف کی رو سے ربا کیوں کر ہونا چاہیے جب کہ ہر فریق نے ایک عوض دیا ہے جو کہ دوسرے کے بالمقابل ہے۔ دائن نے جو عوض دیا ہے وہ مہلت اور تاخیر ہے اور جو مدین نے دائن کو دیا ہے وہ راس المال پر اضافہ ہے۔ دوسرے الفاظ میں ''فضل''، ''نسیئہ'' کا عوض ہے۔

ہمارے خیال میں یہ الجھن اس لیے پیدا ہوئی کہ مصنف نے امام سرخسیؒ کی تعریف ربا کو وہ معانی پہنائے ہیں جو اس تعریف کا مقصود نہیں ہیں۔ امام سرخسیؒ کی تعریف ربا صرف ربا الفضل سے بحث کرتی ہے ربا النسیئہ اس کے دائرے میں داخل نہیں ہے۔ اگر اسے ربا النسیئہ پر بھی لاگو کرنے کی کوشش کی جائے تو اس سے تضاد کی وہی کیفیت جنم لے گی جو مذکورہ مثال میں سامنے آتی ہے۔

امر واقع یہ ہے کہ بیوع کا ربا اور دیون کا ربا دو الگ الگ نوعیتوں کے ربا ہیں۔ بیوع والا ربا صرف احادیث سے ثابت ہے۔ قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اسی بناء پر اسے ربا السنہ کہا جاتا ہے۔

دیون کا ربا ایک حقیقی ربا ہے، سورہ روم، سورہ النساء، سورہ آل عمران اور سورہ البقرہ کی آیات میں جس ربا کا ذکر ہوا ہے وہ یہی ربا ہے۔ اس کی حرمت بھی قطعی ہے اور اس کی تعریف بھی متفق علیہ ہے اور اس میں کسی قسم کا ابہام و اجمال بھی نہیں۔ یہی وہ ربا ہے جو عربوں میں مشہور و معروف تھا جس کو وہ بیع کی طرح حلال سمجھتے تھے۔ اس کو ربا القرآن بھی کہا جاتا ہے۔ کہ اس کی حرمت قرآن سے ثابت ہے۔ اسے ربا جلی اور ربا حقیقی بھی کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ یہ کھلا اور حقیقی معنوں میں سود ہے، صرف سود کا ذریعہ نہیں۔

اس کے برعکس، بیوع میں واقع ہونے والا ربا حقیقی ربا نہیں بلکہ حکمی ربا ہے۔ اس پر ربا کا اطلاق اسی وجہ سے کیا جاتا ہے کہ یہ حقیقی اور جلی ربا کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ یہ کھلا سود نہیں ہے بلکہ کھلے سود کا ذریعہ اور چور دروازہ ہے۔ ربا کی یہ قسم قرآن سے ثابت نہیں ہے بلکہ احادیث

صیحہ سے ثابت ہے اور یہ حرمت سد ذریعہ کے طور پر ہے۔ ربا الفضل یا بیوع میں واقع ہونے والے ربا کے حرام ہونے کی علت حقیقی رِبا کا راستہ بند کرنے اور سودی ذہنیت کا انسداد ہے تا کہ اسے حقیقی سود یعنی رِبا النسیئہ کا ذریعہ نہ بنایا جاسکے۔ امام ابن القیم فرماتے ہیں کہ جو چیز سد ذریعہ کے طور پر حرام قرار دی گئی ہو اس کی حرمت اس چیز کے مقابلے میں کہیں کم درجے کی ہوتی ہے جس کی حرمت شریعت میں مقصود بالذات ہو۔ اسی بنا پر وہ رِبا الفضل کو خفی اور ثانوی رِبا قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک ضرورت کے تحت سونے کا بنا ہوا ہار زیادہ مقدار کے سونے کے عوض بیچا جاسکتا ہے ان کا کہنا ہے کہ سونا ہار کی صورت اختیار کرنے سے ثمن (کرنسی) نہیں رہتا بلکہ کپڑوں اور دیگر اشیا کی طرح کا سامان تجارت بن جاتا ہے۔ جس طرح کپڑے اور نقدی میں رِبا واقع نہیں ہوتا اسی طرح ہار اور سونے کے تبادلہ میں بھی واقع نہیں ہوگا۔(۶۲)

ابن القیم اور دیگر فقہا کے مذکورہ مؤقف کے برعکس زیر بحث نقطۂ نظر رِبا الفضل کا مقام اس قدر بلند کردیتا ہے کہ رِبا الدیون اس کے اندر گم ہوکر رہ جاتا ہے۔ اس نقطۂ نظر نے رِبا پر شریعت کی ترجیحات کی ترتیب کو بالکل اُلٹ کر رکھ دیا ہے۔ حقیقی رِبا کو ثانوی اور ثانوی رِبا کو حقیقی رِبا کی حیثیت دے دی ہے۔

تیسرا نقطۂ نظر

یہ نقطۂ نظر رِبا کو اس فرق (discrepancy) سے تعبیر کرتا ہے جو دو ہم جنس اشیا کے براہِ راست تبادلہ میں واقع ہوتا ہے۔ رِبا پر یہ نقطۂ نظر ڈاکٹر سیّد طاہر صاحب نے پیش کیا ہے۔ انھوں نے رِبا کی تعریف ان الفاظ میں ہے:

"Riba is a discrepancy which results from the contractual obligation of a party in al dircet exchange of items of the same general kind.(63)

تعریف میں ربا کو فرق اس لیے کہا گیا ہے کہ بعض اوقات دائن راس المال سے زیادہ کی بجائے کم لینے پر مجبور ہوتا ہے۔ اس نقطۂ نظر کے مطابق یہ کمی بھی اسی طرح رِبا متصور

(۶۲) ابن القیم، اعلام الموقعین، مکتبہ تجاریہ الکبریٰ، مصر، ۱۹۵۵ء، ۱۰، جلد۲، ص۱۳۵

(۶۳) ڈاکٹر سیّد طاہر "Riba al Fadl" مطبوعہ حکمت قرآن، شمارہ اگست ۱۹۹۵ء، اور "What is Riba" نومبر ۱۹۹۴ء

ہوگی، جس طرح راس المال پر اضافہ رِبا قرار پاتا ہے۔

کیا قرض کے راس المال میں کمی رِبا ہے؟ اس سوال کے جواب کے لیے اگر قرآن پر نظر ڈالی جائے اور متعلقہ آیات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں رِبا راس المال میں اضافہ کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے، کمی کے مفہوم میں نہیں۔

قرآن کی آیت ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سود کا جو بقایا ہے اسے چھوڑ دو۔''(۶۴) اسی مفہوم میں وارد ہوئی ہے۔

سورۂ روم کی آیت بھی اضافے ہی کے مفہوم کو ظاہر کرتی ہے ''اور جو تم سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال بڑھیں تو اللہ کے نزدیک اس سے مال نہیں بڑھتا۔''(۶۵)

جہاں تک احادیث کا تعلق ہے ان سے بھی مصنف کی تعبیر رِبا کی تائید نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس بعض احادیث سے راس المال سے کم لینے کا جواز ملتا ہے۔ بنونضیر کے واقعہ میں آپؐ نے بنونضیر کو اجازت دی تھی کہ وہ میعاد قرض سے پہلے قرض وصول کرنے کی صورت میں راس المال میں کمی پر راضی ہوجائیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سنت کی رو سے بھی یہ رِبا کا معاملہ نہیں۔

مذکورہ تعریف کی ایک اور خامی یہ ہے کہ یہ رِبا النساء کے معاملے کا احاطہ نہیں کرتی۔ دو ہم جنس چیزوں کا تاخیر سے تبادلہ حدیث کی رو سے رِبا النساء کہلاتا ہے، لیکن اس تعریف کی رو سے وہ سرے سے رِبا ہی نہیں۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث معاملہ کی درستگی کے لیے ''برابر سرابر'' اور ''دست بدست'' کی شرط عائد کرتی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ''سواء بسواء'' یا برابر سرابر کی مخالفت سے تو یہ رِبا کا معاملہ بن جائے اور یدا بید یعنی دست بدست کی شرط کی مخالفت کے باوجود یہ شرعاً درست معاملہ قرار پائے۔ اس طرح کے معاملے کے دست بدست ہونے کے مسئلے پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث سے بھی زیادہ واضح ہے۔

حدیث کے الفاظ ہیں، ''سونا چاندی کے بدلے اس ہاتھ لو اور اس ہاتھ دو، گندم گندم

(۶۴) سورۂ بقرہ، آیت ۲۸۰ (۶۵) سورۂ الروم، آیت ۳۹

کے بدلے اس ہاتھ لو اور اس ہاتھ دو، جو جو کے بدلے اس ہاتھ لو اور اس ہاتھ دو، اور کھجور کھجور کے بدلے اس ہاتھ لو اور اس ہاتھ دو۔(۶۶)

اس کا مطلب یہ ہے کہ مخصوص متحد الجنس یا مختلف الجنس اشیا کا تبادلہ۔ خواہ اضافے کے ساتھ ہو یا اضافے کے بغیر، رِبا کا معاملہ ہے، اگر دست بدست نہیں ہوا۔

مذکورہ نقطۂ نظر کے مطابق پانچ تولے سونے کا پانچ تولے سونے کے ساتھ مبادلہ چاہے دست بدست نہ ہو، ایک درست معاملہ ہے۔ کیوں کہ لی گئی مقدار میں کوئی فرق نہیں اور رِبا فرق (Discrepancy) کا نام ہے۔

حضرت عمرؓ تو اس معاملے میں اتنا سخت رویہ رکھتے ہیں کہ وہ ایک عوض کی سپردگی میں اتنی تاخیر کو بھی رِبا سمجھتے ہیں جتنی گھر جا کر واپس آنے میں ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

> چاندی سونے کے بدلے ادھار نہ بیچو کہ ایک طرف سے ادھار ہو اور دوسری طرف سے نقد۔ اگر تم سے گھر تک مہلت مانگی جائے تو اتنی مہلت بھی نہ دو، اس لیے مجھے خطرہ ہے کہ تم کہیں سود میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔(۶۷)

ڈاکٹر سیّد طاہر کے نقطۂ نظر کے مطابق دو ہم جنس چیزوں کے تبادلے میں واقع ہونے والا ہر فرق رِبا ہے حالاں کہ شرعی نقطۂ نظر سے یہ فرق یا اضافہ اسی صورت میں ربا کرار پاتا ہے جب محل تبادلہ اشیا کا تعلق رِبا اموال سے ہو۔ وہ اشیا یا اموال جن میں رِبا واقع نہیں ہوتا، ان کا تفاضل کے ساتھ مبادلہ (Exchange) رِبا نہیں ہے۔ اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ اگر بڑے حجم کے ایک درجن انڈوں کا چھوٹے حجم کے دو درجن انڈوں کے ساتھ تبادلہ کیا جائے تو یہ تبادلہ حنفی فقہا کے نزدیک درست ہے کیوں کہ ان کے نزدیک انڈے ربوی اموال سے تعلق نہیں رکھتے اور نتیجتاً ان میں تفاضل اور تاخیر دونوں جائز ہیں۔ یہی صورت حال کیلوں کے تبادلے میں ہوگی کہ ان کا کمی یا اضافے کے ساتھ باہمی تبادلہ حنفی و مالکی فقہا کے نزدیک جائز ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈاکٹر سیّد طاہر صاحب کی تعریف کے یہ الفاظ کہ ''رِبا عمومی جنس سے تعلق رکھنے والی اشیا کے باہمی تبادلہ میں فرق کا نام ہے'' شریعت کے مدعا کو درست طور پر بیان نہیں کرتے۔

---

(۶۶) نیل الاوطار، جلد۵، ص۲۰۴

(۶۷) مؤطا امام مالک، کتاب البیوع، باب الذہب بالذہب، جلد۲، ص۶۳۴

بیع کے سیاق میں ربا صرف مخصوص اشیا کے باہمی تبادلہ میں واقع ہوتا ہے۔ تمام اشیا میں نہیں۔

ڈاکٹر سیّد طاہر نے اپنی تعریف ربا میں عمومی جنس کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔عمومی جنس کا مفہوم ان احادیث سے لیا گیا ہے جن میں گندم کے گندم کے ساتھ تبادلہ کو برابری اور فوری قبضہ کی بنیاد پر کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ اگر ''اصناف'' تبدیل ہوجائیں تو برابری کی شرط ضروری نہیں۔

عمومی جنس (Same General Kind) کے الفاظ غالباً اس لیے استعمال کیے گئے ہیں تاکہ وہ اشیا جن کا عمومی نام ایک ہی ہے لیکن ان کی نوعیتوں میں خاصا فرق ہے، انھیں بھی حدیث کے احکام کے تحت لایا جائے۔

اس کا دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہوگا کہ ۱۰ گز کپڑے کا تبادلہ ۱۰ گز کپڑے سے ہی کیا جائے اور اس میں کپڑے کی نوعیت کا لحاظ نہ رکھا جائے صرف پیمائش میں برابری کو ملحوظ رکھا جائے۔

یہاں ایک بہت اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ربا الفضل والی حدیث کا واقعی مقصود یہی ہے کہ دو ہم جنس اشیا جن کی نوعیتوں میں بہت واضح اور غیر معمولی فرق ہو، ان کا باہمی تبادلہ صرف اس وجہ سے برابری کی بنیاد پر کیا جائے کہ ان دونوں کا نام ایک ہی ہے یعنی وہ دونوں ایک ہی جنس سے تعلق رکھتی ہیں۔

ربا الفضل پر پائی جانے والی احادیث کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ ان میں ان غذائی اجناس کا ذکر ہے جن کی اکائیوں میں عام طور پر بہت غیر معمولی فرق نہیں ہوتا، مثلاً گندم، جو، نمک وغیرہ کہ ان کی ایک قسم اور دوسری قسم میں عام طور پر بہت زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ جو معمولی سا فرق ان کے درمیان ہوسکتا ہے، اس کی حقیقی قدر (Value) کا تعین ایسی معیشت میں عام طور پر مشکل ہوتا ہے جو جنس کے جنس کے ساتھ تبادلہ پر مشتمل ہو۔ اس صورتِ حال میں اس بات کا احتمال ہوتا ہے کہ دو ہم جنس چیزوں کے تبادلہ میں اعلیٰ قسم رکھنے والا فریق تبادلہ میں ادنیٰ قسم کی اتنی زیادہ مقدار وصول کرلے جو اعلیٰ قسم والی چیز کی حقیقی قیمت سے زیادہ ہو۔ لہٰذا شارع نے یہ ہدایت کردی کہ دو ہم جنس چیزوں کے درمیان قدر و قیمت کا جو تھوڑا سا فرق ہو اسے نظرانداز کر

برابر سرابر مبادلہ کرلیا جائے۔

نبی اکرم ﷺ کے زمانے کی معیشت کرنسی کے بجائے جنس کے جنس کے ساتھ تبادلہ پر مبنی معیشت تھی۔ اس طرح کی معیشت میں عام طور پر چیزوں کی حقیقی قدر کا تعین مشکل ہوتا ہے۔ ایسی معیشت میں احتمال رہتا ہے کہ ایک شخص اعلیٰ نوعیت والی چیز کو دوسری فریق کے استحصال کا ذریعہ بنا لے۔ وہ اس سے بدلہ میں ادنیٰ نوعیت کی بہت بڑی مقدار وصول کرلے جب کہ فی الواقع دونوں قسموں کے درمیان بہت زیادہ فرق نہ ہو۔ گندم کی اعلیٰ قسم اور ادنیٰ قسم کے درمیان عام طور پر کوئی غیر معمولی فرق نہیں ہوتا، لہٰذا اسے اضافے یا زیادہ کا ذریعہ بھی نہیں بنایا جاسکتا۔

آج کے دور میں ایک ہی جنس کی اشیا کے درمیان فرق بہت بڑھ گیا ہے۔ ایک چیز کی اعلیٰ اور گھٹیا قسم کے درمیان غیر معمولی فرق ہوتا ہے پھر معیشت بھی اب جنس، کے جنس کے ساتھ تبادلہ والی معیشت نہیں رہی۔ اشیا کی قدر کا تعین اب کرنسی نوٹ کرتے ہیں۔ چیزوں کی حقیقی قدر کے تعین میں اب کوئی دقت نہیں رہی۔ ایسی صورتِ حال میں یہ کہاں کی معقولیت ہوگی کہ ایک ایگل پین کا تبادلہ ایک پارکر پین سے کرنے پر اصرار کیا جائے اور دلیل یہ دی جائے کہ دونوں چیزیں ایک ہی جنس سے تعلق رکھتی ہیں اس طرح کیا یہ درست ہوگا کہ ایک سوزوکی کار کا تبادلہ ایک مرسڈیز کار سے کیا جائے کہ دونوں ہم جنس اشیا ہیں۔

ہمارے خیال میں حدیث کے الفاظ ''اتحاد صنف'' سے مراد عمومی جنس نہیں ہے بلکہ ایک جنس سے تعلق رکھنے والی ایسی دو چیزیں ہیں جن کے درمیان فرق معمولی ہو۔ عرفِ عام میں جو چیزیں اپنا ایک مستقل نام اور شناخت رکھتی ہیں وہ ایک الگ صنف ہیں چاہے ایسی دو چیزوں کی عمومی جنس ایک ہی ہو مثلاً سوزوکی کار ایک صنف ہے اور مرسڈیز ایک دوسری صنف، عرفِ عام میں بھی انھیں کار کی بجائے ان کے ناموں مرسڈیز اور سوزوکی سے ہی پکارا جاتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دو مستقل بالذات اصناف ہیں۔ جب کہ گندم اور جو میں یہ صورتِ حال نہیں ہے۔ لہٰذا دو قسموں کی گندم فی الواقع ایک ہی صنف شمار ہوگی۔

مذکورہ مثالیں صرف مسئلہ کو واضح کرنے کے لیے دی گئی ہیں ورنہ فی الواقع اس طرح کا تبادلہ کہیں بھی نہیں ہوتا۔ معیشت میں کرنسی کے مؤثر عمل دخل کی بنا پر جنس کا جنس کے ساتھ

تبادلہ عملاً ختم ہوگیا ہے۔ حدیث میں جن اشیا کے تبادلہ کا ذکر آتا ہے وہ بھی اب روپے پیسوں کے بدلے خرید و فروخت ہوتی ہیں، ان کا اپنی جنس سے تبادلہ کہیں بھی نہیں ہوتا۔ اس صورتِ حال میں رِبا کی ایسی تعریف جو اشیا کے باہمی تبادلہ پر بنا رکھتی ہو، زمانی سیاق سے بہت ہٹ کر ہے جس کی عصر حاضر میں کوئی اہمیت و افادیت نہیں۔

رِبا پر اس طریقہ مطالعہ کا غیر محسوس نقصان یہ ہے کہ اس سے رِبا الدیون کے پیدا کردہ حقیقی معاصر مسائل سے انسان کی توجہ ہٹ جاتی ہے اور وہ غیر متعلق چیزوں میں اُلجھ کر رہ جاتا ہے۔

اسلامی نظامِ معیشت کے نفاذ کے لیے جس رِبا کے خاتمہ کی بات کی جاتی ہے وہ بینکوں اور دیگر مالیاتی اداروں میں رائج سود ہے جو بنیادی طور پر قرضوں کا رِبا ہے۔ ہم جنس چیزوں کے تبادلہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ویسے بھی زر نقدی نے رِبا الفضل کا دائرہ سکیڑ دیا ہے۔ مبادلے کی صورتیں محدود ہوکر رہ گئی ہیں۔ اس پس منظر میں نظامِ مبادلہ (Barter) کو زندہ کرنا اور رِبا کی تعریف کے لیے اسے بنیاد بنانا نہ تو شریعت کا تقاضا ہے اور نہ اس عہد کی ضرورت ہے۔

قارئین کرام کی توجہ کے لئے

ماہنامہ فقہ اسلامی کا زیر نظر شمارہ مئی اور جون کا مشترکہ شمارہ ہے اپریل کا شمارہ گزشتہ دس برس کے شماروں کا انڈیکس ہے جس کی محدود کاپیاں دستیاب ہیں ضرورت مند احباب تیس روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کر کے طلب کر سکتے ہیں۔

(مجلس ادارت)